تحریک آزادی میں اردو زبان وادب کا کردار

ڈاکٹر پشپیندر کمار نم

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، کروڑی مل کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی

تلخیص

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں اردو زبان، ادب اور صحافت کے شاندار اور ناقابلِ فراموش کردار رہا ہے۔ اردو محض رابطے کی زبان نہیں بلکہ غلامی کے خلاف ایک طاقتور فکری ہتھیار کا کام کیا اور عوام کے دلوں میں جذبۂ حب الوطنی اور حریت کو بیدار کیا۔ ۱۸۵۷ کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد جب انگریزوں کے مظالم بڑھے، تو اردو شعراء اور دیگر افسانہ و ناول نگاروں نے عوام میں بیداری پیدا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے برطانوی سامراج کی حقیقت اور اس کے ظلم و جبر کو بے نقاب کیا، اور عوام کو ان کے حقوق سے آگاہ کیا۔ اردو ادب نے آزادی کی تحریک کو محض ایک سیاسی جدوجہد تک محدود نہیں رہنے دیا، بلکہ اسے ذہنی اور فکری غلامی سے نجات کے ایک عظیم تہذیبی مشن میں بدل دیا۔

کلیدی الفاظ: تحریکِ آزاد، اردو زبان وادب جذبۂ حب الوطنی اردو صحافت برطانوی سامراج مجاہدینِ آزادی انقلاب زندہ باد فکری بیداری اردو شاعری

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

داغ دہلوی کا یہ شہرہ آفاق شعر نہ صرف اپنے اندر زبان کے عروج وارتقا کی داستان بلکہ ہندوستانی قوم کی تہذیب و معاشرت کا آئینہ دار ہے۔ اردو زبان جو آج دنیا کی چند ترقی یافتہ اور کثرت سے بولی جانے والی زبانوں میں سے ایک ہے۔ اسے بھی معرض وجود میں آنے کے لیے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا اور جب یہ نکھر سنور کر سامنے آئی تو اپنی شائستگی، نفاست، نرمی، دلکشی، حلاوت، شیرینی، اثرانگیزی، ادبی چاشنی، معیار، وقار تہذیب و ثقافت کی بدولت ہر ہندوستانی کے دل میں گھر کرنے لگی اور شاید ہی ہندوستان میں کوئی ایسا شعبہ رہا ہو جس پر یہ اثرانداز نہ ہوئی ہو۔ فکشن ہو یا شاعری، صحافت ہو یا سنیما، اشتہارات ہوں یا دیگر شعبۂ جات۔ اس نے ہر جگہ موئثر انداز میں اپنا کردار ادا کیا۔ اس زبان کی مٹھاس نے ہر خاص و عام کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ پڑھا لکھا طبقہ تو اس زبان کا قائل ہو ہی چکا تھا۔ برادران وطن اور ناخواندہ افراد بھی اس سے اچھوتے نہ رہے۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ قوموں کی زندگی میں آزادی سے بڑھ کر کوئی بھی نعمت نہیں ہوتی۔ خدا کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے ہمیں آزادی کی نعمت سے مالا مال کیا۔ ہندوستان کی آزادی ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو حاصل ہوئی اور اس آزادی کے حصول میں ہمارے بزرگوں نے بلا تفریق مذہب و ملت جو عظیم قربانیاں پیش کیں، ان کے احسان عظیم کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا اور ان کی قربانیاں آبِ زر سے لکھنے لائق ہیں۔ ان کی قربانیوں کی بدولت ہی نہ صرف آج ہمیں آزاد فضا میں سانس لینا میسر ہوسکا بلکہ ہمارے دلوں میں جذبۂ حب الوطنی بھی انہی کا مرہون منت ہے۔ ان مجاہدینِ آزادی کی باتیں، یادیں اور ان کے ذریعے کیے گئے کار نامے تو اتنے ہیں کہ ایک ایک مجاہد پر صفحات کے صفحات سیاہ ہوسکتے ہیں، قلم کی روشنائی پھیکی پڑ سکتی ہے پھر بھی ان کے کارنامے احاطہ قرطاس میں نہ آسکیں۔ لیکن ہمیں یہاں بات کرنی ہے اردو زبان وادب کے تعلق سے کہ اس زبان نے تحریک آزادی میں کس طرح کا کردار ادا کیا ہے اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے۔

ہندوستان پر جب انگریز قابض ہوگئے اور آہستہ آہستہ ہر اُگتے سورج، ڈھلتی شام اور گزرتی رات کے ساتھ ساتھ اس کے جبر وظلم میں اضافہ ہونے لگا تو ہندوستانیوں کے سینے میں بھی ان کے خلاف شرارے پھوٹنے لگے۔ بالآخر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انگلش حکومت کے خلاف جنگ کا آغاز ہوگیا۔ واضح ہو کہ ہندوستان میں تحریک آزادی کی پہلی جنگ ۱۸۵۷ء میں لڑی گئی جسے انگریزوں نے ”غدر“ کے نام سے موسوم کیا۔ اس جنگ میں ہندوستانیوں کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی مگر ان کے دلوں میں آزادی کا جذبہ شدت اختیار کرتا چلا گیا۔

تحریک آزادی میں شمولیت کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ کوئی بھی فرد بہ نفسِ نفیس جنگ میں شامل ہو اور وقت آنے پر شہید بھی ہوجائے۔ دوسرے باحیثیت اور مالدار افراد جو مجاہدینِ آزادی کا بھرپور مالی تعاون کریں اور ایک جماعت وہ ہے جس کے پاس صرف قلم کی دولت ہے اور یہ جماعت شاعروں اور ادیبوں کی ہے اور یہی وہ جماعت ہے جو اپنے قلم کے زور پر اپنی عوام کے اذہان وقلوب کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ اردو ادب میں بھی ایسی بیشتر مثالیں موجود ہیں کہ جب بھی وطن عزیز کسی طوفان یا انقلاب کی زد میں آیا تو اسی جماعت نے اپنے قلم اور دل و دماغ کو سنبھال لیا اور اپنے ملک و عوام کے لیے بے لوث خدمات انجام دیں۔

تحریک آزادی ہند محض سیاسی جدوجہد تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک فکری، ادبی اور تہذیبی بیداری کی داستاں بھی ہے۔ اس بیداری میں اردو ادب نے نہایت اہم اور مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ اردو زبان اپنے آغاز ہی سے عوامی جذبات کی ترجمان رہی ہے۔ اور جب برصغیر میں غلامی کے خلاف آواز بلند ہوئی تو اردو ادب اس آواز کا سب سے مضبوط ذریعہ بن گیا۔ اردو شاعری نے تحریک آزادی میں جوش ولولہ اور حریت کا جذبہ پیدا کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ شعرا نے اپنے نظموں اور غزلوں کے ذریعے عوام کے دلوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کی۔ ان کے کلام میں وطن کی محبت، غلامی سے نفرت اور قربانی کا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری جلسوں جلوسوں اور عوامی اجتماعات میں لوگوں کو بیدار کرنے کا ایک طاقت ور ہتھیار بن گئی۔

اگر ہم اس دور کے ممتاز شعرا اور ادبا کا جائزہ لیں تو ہمیں ایسے درخشاں نام نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے قلم کو آزادی کی جنگ کا ہتھیار بنایا۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام کے ذریعے مسلمانوں میں خودی اور بے داری اور عمل کا جذبہ پیدا کیا۔ ان کی شاعری نے نوجوانوں کے دلوں میں نئی روح پھونک دی۔ اسی طرح مولانا حسرت موہانی نے انقلاب زندہ باد کا نعرہ دیا اور اپنی شاعری میں آزادی کا پیغام عام کیا۔ جگؔر مرادآبادی، جوشؔ ملیح آبادی اور فیض احمد فیضؔ جیسے شعرا نے بھی اپنے کلام کے ذریعے ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور عوام کو جدوجہد کا راستہ دکھایا۔

اردو ادیب و شاعر جنگ آزادی میں دوسری زبانوں کے ادیبوں اور شاعروں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے۔ تاریخ جنگ آزادی کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو ادیبوں اور شاعروں نے جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور وطن عزیز کو آزاد کرانے کے لیے ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ تحریک آزادی مختلف مراحل سے گزری۔ اردو ادیبوں اور شاعروں نے ہر مرحلے پر اپنا کردار کامیابی کے ساتھ ادا کیا۔ اردو شاعری میں ہمیں سامراجی طاقتوں کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار ملتا ہے۔ غزل جو معاملات حسن و عشق اور واردات قلبی کی ترجمان سمجھی جاتی ہے۔ اس میں بھی سلگتے ہوئے حالات کی آنچ محسوس ہوتی ہے۔ شاعرانہ رموز و علائم کے پردے میں غزل گو شعرا نے اپنے عہد کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی ہے۔ انہوں نے ظالم انگریزوں کو کبھی گلچیں اور کبھی صیاد کا نام دے کر ان کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کیا ہے اور ان کے ظلم و ستم کا تذکرہ کرکے ہندوستانیوں کے دلوں میں بغاوت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

داغ چھوٹا نہیں یہ کس کا لہو ہے قاتل
ہاتھ بھی دکھ گئے دامن ترا دھوتے دھوتے
آرزؔو

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا
مظہرؔ

یہ عیش گہ نہیں ہے یاں رنگ اور کچھو ہیں
ہر گال ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا
میر

دیدہ گریاں ہمارا نہر ہے
دل خرابہ جیسے دل شہر ہے
میرؔ

دلّی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ جنہیں تخت و تاج کا

ان اشعار کے پیچھے ایک احساس، ایک درد اور ایک گہرا ادراک موجزن ہے۔ اس طرح جب انگریزوں کے خلاف غم وغصہ کی آگ بھڑک رہی تھی محض یہ کہہ رہے تھے۔

ہندوستاں کی دولت و حشمت جو کچھ کہ تھی کافر فرنگیوں نے بہ تدبیر کھینچ لی

بعد ازاں جنگ آزادی کی تحریک نمایاں طور پر ابھر کر آگئی۔ حالؔی کے بارے میں یہ بات بالکل درست ہے کہ وہ ملک کی سیاسیات سے بہت پہلے متاثر ہو گئے تھے اور اس ضمن میں کئی نظمیں بھی لکھ ڈالی تھیں جن میں سماجی انقلاب کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ایک نظم کے اشعار دیکھئے۔

کہتے ہیں مغرب سے ہو گا جب برآمد آفتاب
عرصۂ آفاق میں ہوگی قیامت جلوہ گر
وہ ترقی جو چلی آتی ہے موجیں مارتی
اگلے وقتوں کے نشاں کرتی ہوئی زیرو زبر
ہوشیاروں کو کرشمے اپنے دکھلاتی ہوئی
غافلوں کو موت کا پیغام پہنچاتی ہوئی

داغؔ دہلوی بھی متاثر ہوئے اور کہہ بیٹھے۔

پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی

تحریک آزادی میں جب ہندوستانیوں پر لاٹھیاں برس رہی تھیں اور سامراجی گھوڑوں کی ٹاپیں انہیں روند رہی تھیں اس وقت بھی ایک شاعر نونہالانِ وطن اور مجاہدین آزادی کی ہمت افزائی کے لیے نغمے گا رہا تھا۔

سر بریدہ تن، شکستہ ہڈیاں، لاشوں کے ڈھیر
باغیوں کو تخت شاہیں پر بٹھا کر لیں گے دم

اور یہ حقیقت ہے کہ جس زبان نے فرنگیوں کے منصوبے اور نظام حکومت کو متزلزل کر دیا وہ یہی اردو تھی۔ آزادی کی لہر کو تیز کرنے میں اس کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے کہ۔

اپنے محبوب سے جب پیار کیا تھا میں نے
کاسہ امر میں لہو بھر کے دیا تھا میں نے

جب روی ٹھاکر، بنکے بابو، لوک مان تلک جیسے قد آور مجاہدین آزادی نے کرانتی امر رہے سمجھانا چاہا تو عوام کو یہ بات پوری طرح سمجھ میں نہ آسکی۔ لیکن یہ اردو ہی تھی کہ جب سردار بھگت سنگھ اور بٹکیشور دت نے اسمبلی ہال میں اردو کے دو لفظ انقلاب زندہ باد کا نعرہ لگایا تو ہندوستانیوں کو انقلاب کا مطلب سمجھ میں آگیا۔ یہ تھی اردو کی حقیقت اثر انگیزی۔

حالیؔ اور شبلی کی طرح ظفر علی خاں اور حسرت موہانی بھی نظم و نثر میں اپنا خون جگر پیش کر رہے تھے۔ عوام میں ان کی تحریروں میں بے قراری اور بے چینی کے ساتھ ساتھ جوش بھی پیدا ہو رہا تھا۔ ظفر علی خاں اپنا پیغام اس طرح دے رہے تھے۔

زندگی ان کی ہے، دیں ان کا ہے، دنیا ان کی ہے
جن کی جانیں قوم کی لذت پہ قرباں ہوگئیں

حسرت کو یہ امید تھی کہ۔

زمانہ وہ جلد آنے والا ہے جس میں
کسی کا نہ محنت یہ دعویٰ رہے گا

اکبر کو تو برٹش حکومت نے سخت چڑ تھی۔ ان کی پوری شاعری مغربی طرزِ تعلیم اور تہذیب کے خلاف ایک آواز تصور کی جاتی ہے۔

ایک شعر دیکھئے:

محفل ان کی ساقی ان کا
آنکھیں میری باقی ان کا

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب تک بیگا نہ تھی
اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

حالانکہ ان کے اس تصور کا منفی پہلو بھی ہے لیکن یہاں اس پر گفتگو کا موقع نہیں۔ اقبال تو غلامی کے خلاف ہی تھے۔ وہ ہمیشہ انگریزوں کے مخالف رہے۔

جب کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستا نوں میں

اس کے علاوہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ شاعروں اور ادیبوں نے تحریک آزادی کو موضوع بنایا۔

جب دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹ء میں ہندوستان کی شرکت کا اعلان کیا گیا تو ہندوستانیوں میں غم و غصے کی لہر تیز ہوگئی۔ بیزاری اور نفرت تو پہلے سے ہی تھی۔ جوش نے للکار اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام لکھا۔

کس زباں سے کہہ رہے ہو آج تم سودا گرو
دہر میں انسانیت کے نام کو اونچا کرو

جب یہاں آئے تھے تم سوداگری کے واسطے
نوع انسانی کے مستقبل سے تم واقف نہ تھے

اس طرح جوش نے انگریزوں کو جھنجھوڑا جس کا بہت بڑا اثر پڑا۔ بہت سی نظمیں انہوں نے کہیں۔ سب سے مشہور نظم ''ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں کے نام'' جو انگریز مخالف جذبے کو پیش کرتی ہے۔ ان کے علاوہ۔ دوسرے شعرا بھی تھے جو اپنے قلم کے زور سے مجاہد آزادی کی حیثیت سے لڑ رہے تھے۔

نثر نگاروں نے بھی اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ مضامین، افسانوں اور ناولوں کے ذریعے انہوں نے انگریز سامراج کے ظلم و ستم کو بے نقاب کیا اور عوام کو ان کے حقوق سے آگاہ کیا۔ اخبارات و رسائل جو زیادہ تر اردو زبان میں شائع ہوتے تھے عوامی شعور کو بیدار کرنے میں اہم ذریعہ ثابت ہوئے۔

افسانوی ادب نے بھی تحریک آزادی کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ افسانہ نگاروں نے اپنے سیاسی ماحول سے متاثر ہو کر ایسے افسانے لکھے ہیں جن میں اس دور کے سیاسی، ہیجانات اور اثرات بے حد نمایاں ہیں۔ جذبہ حصول آزادی اور شعوری آ زادی سے دلوں کو روشنا کرانا ان افسانوں کا موضوع اور مقصد نظر آتا ہے۔ ابتدائی دور کے افسانہ نگاروں میں پریم چند اور سلطان حیدر جوش کے یہاں کھوئی ہوئی آزادی کا ماتم اور غلامی کے خلاف، جذبہ نفرت کا اظہار کثرت سے ملتا ہے۔ اس سلسلے میں پریم چند کے افسانے ''آشیاں برباد''، ''ڈامل کا قیدی''، ''قاتل''، آخری تحفہ''''جیل''، ''سہاگ کی ساڑی''، ''جلوس''، ''بارات'' وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان افسانوں میں تحریک آزادی کے حوالے سے مختلف پہلوئوں کا ذکر ہوا ہے۔ انگریزوں کی ظالمانہ فطرت اور ہندوستانیوں کے ایثار و قربانی کی بہترین تصویر پیش کی گئی ہے۔ بعد کے افسانہ نگاروں نے اور زیادہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ان افسانہ نگاروں میں، سدرشن اور علی عباس حسینی، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، خواجہ احمد عباس، حیات اللہ انصاری، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، غلام عباس، اختر اورینوی، سہیل عظیم آبادی اور انگارے کے افسانہ نگاروں کے نام سر فہرست ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے انگریزوں کے خلاف پیدا ہونے والی نفرت اور ہندوستانیوں کی بے بسی کو کامیابی کے ساتھ اپنے افسانوں میں سمویا ہے اور تحریک آزادی کے مختلف مراحل کی تصویریں پیش کی ہیں۔

تحریک آزادی سے متعلق بہت سے ناول بھی لکھے گئے جو اپنے عہد کی تمام سیاسی کشمکشوں کا آئینہ ہیں۔ان ناولوں کے کردار اجنبی طاقتوں کے قلم اور غیر ملکی حکومت سے نجات کے طلب گار نظر آتے ہیں۔ان ناولوں میں گوشۂ عافیت، چوگان ہستی، لہو کے پھول، آنگن، اداس نسلیں وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

اردو ڈراموں میں بھی ظلم وجبر اوراستحصال کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوتی ہوئی سنائی دیتی ہے۔جہاں بعض ڈراموں میں جذبۂ بغاوت صدائے زیر لب تک محدود نظر آتا ہے وہیں بعض ڈراموں کا بے باک اور باغیانہ لب ولہجہ چونکا دینے والا ہے۔ان ڈراموں میں ''یہ کس کا خون ہے ''علی سردار جعفری، ''نئی تصویریں''(مرتبہ، سردار جعفری، ''آزادی''(ابو سعید قریشی'' اور ''نقش آخر''(اشتیاق حسین قریشی''جیسے ڈرامے اس موضوع بہترین ڈرامے ہیں۔

مزید برآں اردو صحافت نے بھی تحریک آزادی میں کلیدی کردار ادا کیا۔اس زمانے کے اخبارات جیسے الہلال، زمین دار، نے برطانوی حکومت کی پالیسیوں پر سخت تنقید کی اور عوام کو بیدار کیا۔ان اخبارات کے مدیران نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن حق گوئی سے پیچھے نہ ہٹے۔دراصل اردو صحافیوں نے شمع آزادی کی لو کو تیز کرنے اور ہندوستانیوں خون کو گرمانے کا جو اہم کارنامہ انجام دیا ہے، وہ تاریخ آزادئ وطن کا ایک روشن باب ہے۔اس سلسلے میں ان صحافیوں کو قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ایسے بہت سے اردو اخبارات ہیں جنھوں نے انگروزوں کے ظلم و زیادتیوں کی خبروں کے ساتھ ساتھ ہندوستانی عوام کے سامنے برطانوی حکومت کی صحیح تصویر بھی پیش کی جس سے ان کے جذبۂ آزادی کو مزید تقویت ملی۔

ہندوستانی اخبار نویسی کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس کا مزاج ابتدا ہی سے باغیانہ تھا۔ابتدا میں جو اخبارات نکلے وہ سیدھے سادھے اصلاحی یا علمی و ادبی اخبار و رسائل ہوا کرتے تھے مگر ان کی خبروں اور مضامین میں غم و غصے کی زیریں لہریں پائی جاتی تھیں۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی اور انگریزوں کے معاندانہ پر تشدد رویے نے غم و غصے کی زیریں لہر کو اور تیز کر دیا۔لہٰذا اردو صحافیوں نے اس نازک دور میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے بڑی حکمت عملی کے ساتھ مختلف انداز میں ہندوستانیوں کی آواز کو ابھارنے کی جدو جہد کا آغاز کیا۔چنانچہ رفتہ رفتہ انیسویں صدی کے اختتام تک ہندوستانیوں میں آزادی کا جذبہ بھرپور اور منظم طریقے سے ابھرا۔

۱۸۵۸ء سے ۱۹۰۰ء کے عرصے میں جو اہم اخبارات نکلے ان کا یہاں جائزہ لیا جا رہا ہے۔

بیسویں صدی ہندوستان میں انقلاب لے کر آئی۔کانگریس کے قیام اور اس دور کی علمی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگوں میں سیاسی بیداری پیدا ہونی شروع ہوئی اور مولانا حسرت موہانی نے ''اردوئے معلی'' جاری کیا۔یوں تو اس وقت بہت سے اخبارات و رسائل شائع ہو رہے تھے پھر بھی ایسے اخبارات کی کمی تھی جو ہندوستانیوں کے سیاسی خیالات خاص طور سے آزادی سے متعلق جذبات شائع کرتے۔اس کمی کے پیش نظر مولانا حسرت موہانی نے یکم جولائی ۱۹۰۳ء کو علی گڑھ سے اپنا ماہنامہ ''اردو معلی'' جاری کیا اور اس شان سے جاری کیا کہ اپنے ہی شمارے میں مکمل آزادی کا مطالبہ کر دیا۔اس وقت بڑے بڑے قومی رہنما ہندوستان میں موجود تھے مگر

حسرت سے پہلے کوئی جرأت نہ کرسکا تھا۔انہوں نے یہ انقلابی حوصلہ اس وقت دکھایا جب برطانوی حکومت آزادی لفظ تک سننے کو تیار نہ تھی۔ بہر حال آگے چل کر ''اردوئے معلی'' ایک ایسا رسالہ ثابت ہوا جس نے برطانوی حکمرانوں کی نیندیں حرام کردیں۔

۱۹۰۸ء میں ''اردو معلی'' میں برطانوی حکومت کے خلاف ایک مضمون لکھنے کی پاداش میں مولانا حسرت موہانی کو دو سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ مولانا سزا پوری ہونے کے بعد رہا ہوئے تو ان کا حوصلہ اور بلند تھا۔ لہٰذا انہوں نے ۱۹۱۰ء میں ''اردوئے معلی'' دوبارہ جاری کیا تو سرمائے کی کمی کی وجہ سے اس کا حجم اور سائز اور اس لحاظ سے چندہ کم کرنا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جنگ طرابلس جاری تھی۔ مولانا نے اپنے رسالے میں اٹلی کے خلاف بائکاٹ کا فتویٰ شائع کیا۔ لہٰذا برطانوی حکومت نے اپنی انتقامی کارروائی میں ان کے پریس کے لیے جس سے اردو معلی چھپتا تھا اور جس کی کل کائنات ایک کاٹھ کی مشین اور تین پتھر تھے، تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کرلی ظاہر ہے کہ مولانا اتنی بڑی رقم ادا نہیں کرسکتے تھے۔ لہٰذا پریس ضبط ہوگیا اور ''اردوئے معلی''۱۹۱۳ء میں پھر بند ہو گیا۔ اس بار اردو معلی کو شروع ہونے میں زیادہ وقف لگ گیا اگرچہ اس رسالے کی ادبی حیثیت تھی۔ اس میں سیاست کی مکمل عکاسی ہوتی تھی جس کا تعلق تحریک آزادی اور اس میں مسلمانوں کی شرکت سے تھا۔

محمد علی جوہر اور ہمدرد

جنون آزادی کی حکایات خوں چکاں لکھنے والے بے باک ونڈر صحافیوں میں محمد علی جوہر کا نام سرفہرست ہے لیکن بنیادی طور پر وہ تحریک آزادی کے مرد میدان تھے۔ اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور ہونے۔ صحافت سے ذہنی مناسبت، اپنے مقصد کی بازیافت اور حقیقت کو عوام تک پہنچانے کی غرض سے انہوں نے صحافت کا سہارا لیا۔ سیاسی رہنما صحافی، انشاء پرداز اور شاعر کے علاوہ ایک مورخ بھی تھے۔

مولانا نے ۲۳ر فروری ۱۹۱۳ء کو اپنا اردو اخبار ''ہمدرد'' جاری کیا۔ مولانا کی طرح ان کے بڑے بھائی بھی تحریک آزادی کے بڑے رہنما تھے۔ حکومت نے ۱۹۱۵ء میں دونوں بھائیوں کو نظر بند کر کے پہلے مہرولی، لینس ڈاؤن اور مین واڑہ میں رکھا پھر بیتول بھیج دیا۔ ہمدرد نے انگریزوں کی مخالفت اس وقت شروع کردی تھی جب کانگریس کی تحریک آزادی میں ابھی شدت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس کے مقاصد میں ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دینا۔ گاندھی جی کی ہندوستانیوں کی بہبودگی کی کوششوں کو عوام تک پہنچانا۔ ان کی ہمت افزائی کرنا اور ہندوستانیوں میں جذبۂ آزادی کو ابھارنا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے ہر دور میں انگریزوں کی سازشوں کا پردہ فاش کیا۔ ان کے ظلم و زیادتیوں کے خلاف بلا خوف احتجاج کیا۔ تحریک آزادی کے تمام رہنمائوں کی ہمت افزائی کی۔

زمیندار اور ظفر علی خاں:

صحافت کی وادئ پرخار میں اپنی شکستہ پائی کے باوجود مولانا ظفر علی خاں نے اسی استحکام کے ساتھ قدم رکھا کہ کانٹوں کو بھی پسینہ آگیا۔ وہ ایک حق گو وبے باک صحافی ہی نہیں بلکہ جنگ آزادی کے ایک جری سپاہی بھی تھے جن کے ذکر کے بغیر ہماری تاریخ آزادی نامکمل رہے گی۔ سیاسی چالوں کے خلاف آواز اٹھانے کے جرم میں انہوں نے کل ملاکر چودہ سال قید وبند کی صعوبتیں برداشت

کیں۔ زمیندار کی ضبطیوں اور اپنی گرفتاریوں کے نتیجے میں (اس وقت کا) کل ملا کر ڈیڑھ لاکھ روپے سے زائد جرمانہ ادا کیا۔ ان کا اخبار پندرہ بار ضبط ہوا، کئی پریس بھی ضبط ہوئے مگر برطانوی حکومت اپنی تمام بربریت، جارحیت اور قوت واستحکام کے باوجود انہیں حق گوئی سے باز نہ رکھ سکی۔ ظفر علی خاں غیر معمولی دل ودماغ کے آدمی تھے۔ ان کی ہمت بہت بلند ہے۔ ان کا قلم اپنی روانی میں دنیا کے بڑے بڑے مجاہدین کی تلوار سے کم نہیں۔

الہلال اور البلاغ

مولانا ابولکلام آزاد برطانوی حکومت کے ہر ظلم وجبر کے خلاف آواز بلند کرتے تھے اور اس شخص کے خلاف بھی جو برطانوی حکومت کی بے جا حمایت کرتا اور ملک وملت کے مفاد کو اپنے مفاد پر قربان کرتا۔ الہلال کے مطالعے سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ برطانوی حکومت کی سنسر اور پابندیوں کے باوجود اپنے دور کا واحد اخبار تھا جو قارئین کو بین الاقوامی سیاست خاص کر اسلامی ممالک کے جنگی حالات سے نہ صرف واقف کراتا تھا بلکہ ان واقعات کو صحیح پس منظر میں پیش کرتا تھا۔ لہٰذا سجاد انصاری لکھتے ہیں:

"الہلال نے ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس طرح بیدار کردیا جس طرح نفخ صور سے لاکھوں برس کے سوئے ہوئے انسان زندہ ہوجاویں گے۔"

مولانا ابولکلام آزاد کے اسلوب اور جذبات کی صداقت کی وجہ سے یہ نکلتے ہی ساری فضا پر چھا گیا اور اس کی تعداد اشاعت چھبیس ہزار تک پہنچ گئی جو شاید اس سے پہلے کسی اردو اخبار کا مقدر نہ تھی۔ علامہ اقبال نے اس کے لیے خریدار فراہم کیے۔ چھوٹے قصبات ودیہات میں لوگ گروہوں میں بیٹھ کر اس کے مضامین سنتے تھے۔ علماء کا خیال ہے کہ الہلال اردو صحافت کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

ان تحریروں نے نہ صرف سیاسی شعور کو فروغ دیا بلکہ لوگوں میں اتحاد اور یک جہتی کا جذبہ بھی پیدا کیا۔ اردو ادب کی ایک اہم خصوصیت یہ رہی ہے کہ اس نے تحریک آزادی کو صرف ایک سیاسی جدوجہد نہیں رہنے دیا بلکہ اسے ایک اخلاقی اور تہذیبی مشن میں تبدیل کردیا۔ اردو ادب نے لوگوں کو یہ سکھایا ہے کہ آزادی صرف جسمانی قید سے نجات کا نام نہیں ہے بلکہ ذہنی اور فکری غلامی سے بھی آزادی ضروری ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اردو ادب نے قربانی، ایثار اور صبر کی ایسی مثالیں پیش کیں جو آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ اس دور کے ادبا نے نہ صرف قلمی جدوجہد کی بلکہ عملی میدان میں بھی حصہ لیا۔ انہوں نے جیلیں کاٹیں، مصائب برداشت کیے اور ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار رہے۔

اردو ادب کا ایک اور نمایاں پہلو یہ تھا کہ اس نے عوامی سطح پر ایک شعور پیدا کیا۔ سادہ اور عام فہم زبان میں لکھی گئی تحریروں نے گائوں دیہات، قصبات تک آزادی کا پیغام پہنچایا۔ اس طرح ایک عام آدمی بھی اس جدوجہد کا حصہ بن گیا۔ ادب نے نہ صرف جذبات کو اُبھارا بلکہ لوگوں کو عملی طور پر میدان عمل میں اترنے کی ترغیب بھی دی۔

آج کے دور میں جب ہم تحریک آزادی کو یاد کرتے ہیں تو ہمیں یہ حقیقت کبھی فراموش کرنی چاہئے کہ اس جدوجہد کی کامیابی میں اردو ادب کا حصہ نہایت اہم تھا اگر ادب عوام کے دلوں کو بے دار نہ کرتا تو شاید آزادی کی یہ تحریک اتنی مضبوط و موثر نہ ہو پاتی۔ اس طرح تحریک آزای کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں اردو زبان نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ اگر اردو ادیبوں اور شاعروں نے انگریزوں کے نظام حکومت کے خلاف جذبہ بغاوت پیدا کرنے اور سامراجی طاقتوں کو ملک سے باہر نکالنے کے لیے للکار نہ ہوتی تو ہمیں مزید کچھ مدت تک صبح آزادی کا منتظر رہنا پڑتا۔

آخر میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ اردو ادب تحریک آزادی کا وہ روشن چراغ ہے۔ جس نے تاریکیوں میں روشنی پیدا کی۔ اس نے نہ صرف ہمیں آزادی دلانے میں مدد دی بلکہ ہمیں ایک قوم کے طور پر سوچنے سمجھنے اور آگے بڑھنے کا شعور بھی عطا کیا۔ آج ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس ادبی ورثے کی قدر کریں۔ اسے فروغ دے اور آنے والی نسلوں تک اس کا پیغام پہنچائیں تاکہ آزادی کی قدر و قیمت ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہے۔

☆☆☆